

سنت نبوی ﷺ اور حالات و زمانہ کی رعایت (دعوت و تبلیغ اور سیاسی معاملات کے تناظر میں)

Concession of the Time and Space in the Sunnah Of
The Holy Prophet (In the Context of Preaching and
Calling and Political Matters)

ڈاکٹر سعید احمد: اسٹنٹ پروفیسر، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
حافظ عرفان اللہ: پی۔ ایچ۔ ڈی سکالر، لاہور گیریشن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Historical Study reveals that many reformers faced failure because of the attitude of hustle in activities, unawareness of social situations, ignorance of societal tendencies, desire for immediate outcomes and rigidity in behaviors. The factors behind the dispersion of many powerful religious movements and their tragic end are as narrated. The peaceful revolution executed in a very short span of time profoundly altered the social course of hatred, animosity and negativity. The continuous struggle, meaningfulness of their goals, sincerity, deep observation and firmness led to the success and realization. The Prophetic paradigm of preaching in Makkan and Madnian eras was based upon wisdom and abreast with time and Scio-cultural vogues. The gradual expansion in his preaching activities was utmost demonstration of his divine wisdom. The immigration, political strategy, the marriages of holy Prophet s.a.w and pacts with Jews and Christians all are evidence of the Prophetic Observance of the social Circumstances.

Keywords: Prophetic Observance, Circumstances, Makkan and Madnian eras, immigration, political strategy, pacts

کسی بھی عظیم مقصد کو حاصل کرنے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے خصوصی توجہ، انتھک محنت، عمل پیہم، سازگار ماحول، یقین محکم، اور صبر و استقامت کی از بس ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حالات و زمانہ کا بھی دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ وقت کے تقاضے، معاملات کی فہم اور زمانے کی کیفیات سب مد نظر رکھ کے لائحہ عمل طے کیا جائے تو اس کے اثرات نہ صرف جلد مرتب ہوتے ہیں بلکہ دیر پا بھی ہوتے ہیں۔ ٹھنڈے لوہے کو کوٹتے رہنے سے ہم اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے سے قاصر رہیں گے لیکن اگر اسی کو بھٹی میں ڈال کر آگ دی

جائے اور اس کے گرم ہونے کا انتظار کیا جائے، تب اسے جس طرح چاہیں موڑ لیں اور اس سے جو چاہیں بنالیں۔ کچھ ایسی ہی صورت حال معاشرے کی ہوتی ہے۔ معاشرتی روایات، ذہنی خیالات، تہذیب و تمدن، مذہبی سوچ اور معاشی اقدار کے پینے میں وقت لگتا ہے، اس کے لئے سالوں درکار ہوتے ہیں۔ لہذا ان کو تبدیل کرنے میں بھی وقت چاہیے۔ اگر آپ فوراً غیر لچکدار خیالات اور سوچ کے ذریعے اسے تبدیل کرنا چاہیں گے تو بری طرح ناکام ہو جائیں گے اور شاید بد دل بھی۔ تاریخ کا مطالعہ کریں تو بہت سارے مصلحین کی ناکامی میں عجلت، حالات و زمانہ سے عدم واقفیت، لوگوں کے مزاج سے لاعلمی، فوری نتیجہ کے حصول کی سعی اور غیر لچکدار رویہ، جیسے عوامل کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے انقلاب پروان نہ چڑھے اور ان کی سوچ کے برعکس اس کے منفی نتائج سامنے آئے۔

نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے پر امن انقلاب کا مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے تو ہمیں بڑی نفاست اور خوبصورتی کے ساتھ ہر چیز بر موقع و بر محل دکھائی دیتی ہے۔ اس میں عمل پیہم بھی ہے اور جہد مسلسل بھی، مقصد کی معنویت بھی اور اسے حاصل کرنے کا انتھک جذبہ بھی، وہاں خلوص بھی ہے اور مضبوط قوت ارادی بھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حالات و زمانہ کے احوال کا گہرا مشاہدہ بھی ہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ نبی کریم ﷺ غار حراء سے وحی لے کر تشریف لائے ہوں اور آپ نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرہ توحید بلند کر دیا ہو، بتوں کی مخالفت شروع کر دی ہو اور جو لوگ توحید باری تعالیٰ کے منکر اٹھ کھڑے ہوئے ان کے سامنے تلوار لے کر میدان عمل میں اتر آئے اور شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنے کا نعرہ مستانہ بلند کیا ہو۔ بلکہ اس کے لیے حالات کو سازگار ہونے کا موقع دیا گیا، اپنے قریبی احباب کو ساتھ ملانے کی حکمت عملی اپنائی گئی اور زمانہ کے اطوار و احوال کو موافق بنانے کی سعی کی گئی۔ کیا اللہ اس وقت ایک نہیں تھا؟ کیا بت شرک کا منبع و مرکز نہیں تھے؟ کیا کعبۃ اللہ کو بتوں کی نجاست و نحوست سے پاک ضروری نہ تھا؟ کیا مشرکین اپنے جھوٹے خداؤں کو لے کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی توہین کے مرتکب نہ ہو رہے تھے؟ سب کچھ تھا مگر حالات اس کے متقاضی نہ تھے۔ اس لیے اسلامی عقائد و تعلیمات کے اٹل ہونے کے

باوجود حالات و زمانہ کا خیال کیا گیا۔ اور پھر مدنی زندگی میں دیکھئے کہ مکہ میں تو صرف مشرکین سے سامنا تھا مگر مدینہ میں یہودی، منافق اور ان کے پشت پناہ سرداران قریش و مشرکین عرب۔ اس چوکھی لڑائی میں نبی کریم ﷺ کی فراست کاملہ اور حکمت صادقہ کامیاب ہوئی اور پھر وہی کعبہ تھا کہ اس سے بت گرائے جا رہے تھے اور بتوں کے پجاری خاموش تماشائی بننے کے علاوہ کچھ کرنے سکتے تھے وہی حرم مکہ تھا جہاں ”انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام“ کے حکمنامے پر عملدرآمد ہو رہا تھا اور کوئی چوں بھی نہ کر سکتا تھا۔ یہودیوں کو مدینہ بدر کر دیا گیا تو وہ کچھ نہ کر سکے اور منافقین کو قدموں میں آنا پڑا۔ مختصر یہ کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ حالات و زمانہ کی رعایت اور مصلحت بنی جیسے امور سے بھرپور دکھائی دیتی ہے۔ ذیل میں ہم حالات و زمانہ کے تناظر میں آپ کی تبلیغی اور سیاسی مساعی جمیلہ کا تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

تبلیغی اور سیاسی ادوار

اکثر سیرت نگاروں نے نبی کریم ﷺ کے مکہ مکرمہ کے دعوتی دور کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور پھر مدنی زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح سیاسی حوالے سے مختلف تقسیمات ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ان تمام ادوار کو درج ذیل چھ (۶) حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) سری دعوت کا دور (پہلا دور) (۲) محدود اور وسیع، جہری دعوت کا دور (دوسرا دور)

(۳) بیرون مکہ، وسعت دعوت (تیسرا دور) (۴) ہجرت مدینہ (چوتھا دور)

(۵) صلح حدیبیہ تا فتح مکہ (پانچواں دور) (۶) فتح مکہ تا وصال مبارک (چھٹا دور)

(۱) سری دعوت کا دور (پہلا دور)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان نبوت کا حکم ہو جانے کے بعد ابتداءً نبی کریم ﷺ نے پس پردہ تبلیغ کا آغاز فرمایا اور خفیہ طریقے سے دعوت توحید دیتے رہے۔ اس دعوت کا عرصہ تین سال شمار کیا گیا ہے۔

”تین سال تک آنحضرت ﷺ مخفی طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے اور اسی طرح لوگ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوتے رہے تین سال کے بعد حکم نازل ہوا کہ علی الاعلان اسلام کی طرف بلائیں“ (۱)

”تین سالہ دعوت کے اس خفیہ دور میں نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے اپنے نہایت قریبی افراد کو دعوت دی، انہیں بلند بخت افراد کو السابقون الاولوں کا تمغہ امتیاز دیا گیا۔ جن میں آپ کی زوجہ ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ، آپ کے غلام زید بن حارثہ، آپ کے چچا زاد سیدنا علی بن ابی طالب، اور جگری دوست سیدنا ابو بکر صدیق شامل تھے۔ بعد ازاں ان افراد نے خفیہ دعوت کو خفیہ طریقے سے آگے پھیلانے کا بیڑا اٹھایا اور دعوت کا دائرہ کار وسیع کیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق کی کوششوں سے سیدنا عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ اسلام لائے اس طرح یہ آٹھ لوگ اسلام کے رعیل اول اور طلعیہ الاسلام کہلائے۔ اور پھر بلال بن رباح، ابو عبیدہ بن عامر بن جراح، ابو سلمہ بن عبد اللہ، ارقم بن ابی الارحم، عثمان بن مظعون، ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبد اللہ، عبیدہ بن حارث، سعید بن زید، ان کی زوجہ فاطمہ بنت خطاب، خباب بن الارت، عبد اللہ بن مسعود، اور چند اور لوگ۔ اس اوائل دور میں نماز کا حکم نازل فرمایا گیا۔ اور شروع میں دو رکعات صبح اور دو رکعات شام کو فرض قرار دی گئیں۔۔۔ ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو نبی کریم ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وادیوں میں نکل جاتے اور لوگوں سے اپنی نماز کو پوشیدہ رکھتے“۔ (۲)

”تین سال کی اس سری دعوت کے نتیجے میں تقریباً چالیس لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے جن میں حضور کے چچا سیدنا امیر حمزہ اور ان کے بعد سیدنا عمر فاروق نے ایمان لا کر چالیس کی تعداد کو مکمل کیا۔“ (۳)

(۲) محدود و وسیع (جہری) دعوت کا دور

”نبی کریم ﷺ نے بعثت کے بعد تین سال تک خاموشی سے تبلیغ فرمائی پھر تبلیغ کا دائرہ وسیع کرنے کا حکم ہوا۔ یہ بڑا کٹھن کام تھا کئی ہفتوں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سوچ

میں مستغرق رہے، رات دن اسی غور و فکر میں بیت جاتے، حضور گھر میں گوشہ نشین رہے۔ اس خاموشی اور عزلت گزینی کے باعث آپ ﷺ کی پھوپھیوں کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ حضور بیمار تو نہیں۔ عیادت کے لیے جب آئیں تو حضور ﷺ نے بتایا کہ میری صحت بالکل ٹھیک ہے لیکن میں اس سوچ میں کھویا رہتا ہوں کہ اپنے رب کے اس حکم کی تکمیل کیسے کروں،“ (4)

اس دور میں پہلے تو اپنے قریب رشتہ داروں تک دعوت کا دائرہ محدود کیا گیا اور پھر اس وسعت دیتے ہوئے دیگر لوگوں کو بھی شامل کر لیا گیا۔ یہ دور تقریباً سات سال پر محیط ہے۔ یہ نہایت صعوبتوں اور پریشانیوں کا دور ہے قریش مکہ کی ریشہ دوانیاں، ظلم ستم کی جملہ سامانیاں اور اہل ایمان کو زچ کرنے کے لیے بے ہودہ کہانیاں، الغرض وہ کونسا طریقہ تھا جو اس شمع کو بجھانے کے لیے اختیار نہ کیا گیا ہو۔ کبھی ڈرا دھمکا کر، کبھی تشدد کر کے، کبھی لالچ دے کر، کبھی خود، کبھی وفد کی صورت میں ہر طرح اس دعوت کو روکنے کی کوشش ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کی محبت میں اہل ایمان نے گالیاں بھی سہیں، پتھر بھی کھائے، تکالیف بھی برداشت کیں، یہاں تک کہ تنگ آکر ہجرت حبشہ کا راستہ اختیار کیا گیا۔ مشرکین کا انتہائی قدم یہ تھا کہ جب وہ اس دعوت کو عروج پکڑتا دیکھنے لگے تو مقاطعہ کا ظالمانہ راستہ اختیار کیا۔ اور تین سال تک محصور کی مشقت برداشت کرنا پڑی۔ اور جب یہ تین سال گزرے تو حضرت ابوطالب اور سیدہ خدیجہ کے وصال کا صدمہ سہنا پڑا۔ سات سال تک کے اس مشکل ترین دور کا مختصر سا جائزہ ہمیں بتاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کوئی اقدامی طریقہ نہیں اپنایا۔ بلکہ صبر و استقامت کے کوہ الوند بن کر ہر طرح کی بد معاشیوں کا مقابلہ کیا۔

(۳) وسعت دعوت (بیرون مکہ)

”شوال المکرم دس نبوی کو نبی کریم ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے جو کہ مکہ سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ کی روانگی واپسی پیدل تھی اور ساتھ زید بن حارثہ تھے۔ جب بھی کسی قبیلہ کے پاس سے گزرتے انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔۔۔ دس دن تک اہل طائف کے ہاں قیام

رہا شراف طائف میں سے سب کے پاس جا کر دعوت دی ان سب نے ایک ہی بات کی کہ ہمارے شہر سے نکل جائیں۔“ (۵)

”اسی سال دس نبوی کو ماہ ذی القعدہ میں واپس لوٹے تاکہ قبائل اور دیگر لوگوں کو اسلام کی دعوت پیش کر سکیں۔ حج کا موسم قریب تھا اور لوگ مکہ آیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت پیش کی۔ جن قبائل کو آپ نے دعوت دی ان میں بنو عامر، محارب بن خصفہ، فزarah، غسان، مرثہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، بنو لہکاء، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، الحضارمہ، قبائل شامل ہیں۔ اور ان میں سے کسی نے بھی آپ کی دعوت قبول نہ کی۔“ (۶)

”تین قبل ہجرت (دس ہجری) کے ماہ جمادی الاخریٰ میں نسی کے قاعدہ سے حج ہوا۔ اس سال یہ دونوں (عوف بن عفراء اور اسعد بن زرارہ) چار دیگر صحابہ کے ساتھ آئے اور ایک گھاٹی میں حضرت رسول خدا سے ملے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔۔۔ واپس جا کر ان چھ افراد نے اور بھی بہت سے لوگوں کو مسلمان بنایا۔ ۲قھ (قبل ہجرت) میں بھی نسی کے قاعدہ سے جمادی الاخریٰ میں حج ہوا۔ اب کی بار جابر بن عبد اللہ بن زیاد کے علاوہ باقی پانچ اصحاب دوبارہ حج کے لیے آئے اور ایک عقبہ میں آپ سے ملے اس بار ان کے ساتھ 9 افراد اور آئے جن میں سے 7 بنو خزرج کے افراد تھے اور 2 بنو اس کے تھے۔۔۔ 1قھ نسی کے قاعدہ کے مطابق رجب میں حج ہوا۔ کوئی پانچ سو افراد مدینہ کے جن میں عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی داخل تھا۔ حج کے لیے مکہ آئے ان آنے والوں میں 73 مرد اور 2 عورتیں مسلمان تھیں۔۔۔ بیعت کے بعد ان ۷۵ اہل مدینہ نے آپ سے مدینہ ہجرت کر آنے کی درخواست کی۔“ (۷)

مکہ مکرمہ میں گزارے جانے والے دعوت کے تیرہ سالوں میں نبی کریم ﷺ نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ظلم و بربریت کے ہر وار کو ہنس کر سہا۔ آپ اور آپ کے صحابہ نے کوئی اقدامی قدم نہ اٹھایا بلکہ استقامت اور حوصلے کا کوہ الوند بن کر ہر طرح کی ریشہ دوانیوں کو برداشت کیا۔ چنانچہ حالات و زمانہ کے پیش نظر نہ تو جہاد کا حکم نازل ہوا اور نہ ہی آپ اور آپ کے

صحابہ نے دین اسلام کی دعوت کے لیے محافل کا انعقاد کیا، نہ ہی کوئی اجتماع یا جلسے کی شکل اپنائی گئی۔ کیونکہ حالات اس کے متحمل نہ تھے۔ بلکہ زیادہ تر شخصی دعوت کا طریقہ اپنایا گیا۔ نبی کریم ﷺ خود بھی ایک ایک شخص کے پاس جاتے اور اسے دعوت دیتے اور صحابہ کرام نے بھی اسی طریقہ کو مناسب خیال کیا۔ صرف ایک مرتبہ کوہ صفا پر تمام اقرباء کی دعوت کر کے انہیں اسلام کا پیغام سنایا گیا۔ جس کے ظاہری مثبت نتائج نہ نکلے بلکہ سارا قبیلہ دشمن بن گیا۔ لہذا اس کے بعد پورے مکی دور میں ایسا موقع دوبارہ پیدا نہیں کیا گیا کہ سب ایک جلسے کی شکل میں اکٹھے ہوں اور انہیں وعظ سنایا جائے۔ چنانچہ حالات کے تقاضے کے مطابق زیادہ تر انتظام پوشیدہ ہی رہا یہاں تک کہ بیعت عقبہ اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ ہجرت حبشہ اولیٰ و ثانیہ اور ہجرت مدینہ ان سب کو مخفی رکھا گیا۔

(۴) ہجرت مدینہ تا صلح حدیبیہ

نبی کریم ﷺ نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو مدینہ پہنچنے سے پہلے آپ مقام قبا تشریف لے گئے۔ اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر آنے والی اس باریک بین ہستی نے پہلے اپنے اور دیگر صحابہ کے لیے گھروں کی فکر نہیں کی بلکہ دعوت اسلامی کے مرکز کی تعمیر کو اہمیت دی اور قبا میں چند روز قیام کے دوران مسجد تعمیر کروائی۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

”قال ابن اسحاق فأقام رسول الله ﷺ بقبا في بني عمرو بن عوف يوم الاثنين و يوم الثلاثاء و يوم الأربعاء و يوم الخميس و اسس مسجد ه“ (8)

اس روایت کے برعکس بعض روایات میں زیادہ دن رہنے کا بھی ذکر ہے۔ لیکن اس بحث سے فی الحال مطلب نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جیسے ہی آپ مکہ کے اس ظالمانہ ماحول سے نکلے آپ نے سب سے پہلے دعوت پر توجہ دی۔ حالات کی وجہ سے جو مقصد دار ارقم یا دیگر مقامات پر پوشیدہ چل رہا تھا اسے اب علی الاعلان بیان کرنے کے حالات آچکے تھے۔ اور تبدیلی حالات نے اب کھل کر دعوت دینے کا اعلان کر دیا تھا۔ مزید برآں کہ اب سیاسی طور پر مدینہ کو مستحکم بنانے کی طرف بھی توجہ ضروری تھی۔

”جس دن آپ قبا سے نکلے آپ اپنی قصواء اوٹنی پر تشریف فرما تھے اور وہ جمعہ کا دن تھا دار بنی سالم بن عوف میں جمعہ کا وقت ہو گیا آپ نے وہاں ہی جمعہ پڑھایا اس وادی کو ”رانواناء“ کہا جاتا ہے۔“⁽⁹⁾

اور یہ جمعہ بانگ دھل ادا کیا گیا اور آپ نے نہایت جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔⁽¹⁰⁾ اسی طرح مدینہ پہنچے تو اپنی رہائش گاہ سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کو ضروری سمجھا اور اپنی رہائش کے لیے سیدنا ابویوب انصاری کے گھر کو شرف بخشا۔ نبوی تعلیم آگے پھیلانے کے لیے مبلغین اور داعین کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مسجد کے ایک کونے میں مسافروں اور غریبوں، مسکینوں کے لیے ایک چبوترہ بھی تیار کیا گیا۔ وہاں کم و بیش ستر درویش منش صحابی مقیم رہتے جو ہمہ وقت یا تو اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے یا جان دو عالم کی محبت سے فیض یاب ہوتے۔⁽¹¹⁾

چنانچہ جو دعوت پہلے پوشیدہ دی جا رہی تھی اب حالات کے سازگار ہوتے ہی علی الاعلان دی جانے لگی۔ دعوت کے اسی دور میں کھل کر تبلیغ شروع ہوئی، اسلام قبول کرنے والے نئے صحابہ کی تعلیم و تربیت کی جاتی اور پھر انہیں دیگر قبائل کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔ بہت سے سرکردہ لوگ دائرہ ایمان میں داخل ہوتے جا رہے تھے، عبد اللہ بن سلام جیسے یہودی عالم بھی سر تسلیم خم کر چکے تھے۔ یہ بات مشرکین کو قطعی طور پر گوارہ نہ تھی لہذا اس دور میں غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق جیسے اہم معرکے بھی ہوئے۔ مگر اسلام کا یہ چراغ نجانے کتنے چراغ جلا چکا تھا۔

سیاسی حکمت عملی

سیاسی حوالے سے بھی مدینہ میں رہنے والے یہودی، منافق اور دیگر ساکنان علاقہ کا اعتماد حاصل ہونا ضروری تھا لہذا نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنی مکمل حمایت کا یقین دلایا اور ان کی طرف سے یقین دہانی کا وعدہ لیا جسے تاریخ میں میثاق مدینہ کا نام دیا گیا ہے۔ میثاق مدینہ کی شقیں واضح طور پر بتاتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حالات و زمانہ کا خیال فرماتے ہوئے یہ معاہدہ کیا۔ وگرنہ اس کی بعض شقیں شریعت اسلامیہ کے مزاج سے موافقت نہیں رکھتیں۔ سیاسی وثیقہ

جات میں سے اس میثاق کی چند شقیں درج ذیل ہیں:

”یہ تحریری معاہدہ ہے مدینہ کے مندرجہ ذیل طبقوں کے درمیان:

(الف) محمد نبی رسول اللہ ﷺ (ب) مسلمانان: قریش مکہ، ساکنین شہر مدینہ

(ج) مدینہ کے مسلمان (د) مدینہ کے یہودی

(ه) مدینہ کے نصرانی (و) مدینہ کے غیر مسلم

(۱) مسلمانوں کی جنگوں میں ان کی مالی اعانت کرنا یہودی پر واجب ہوگا۔

(۲) قبیلہ بنو عوف کے تمام یہود کو مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق کی حیثیت سے مل کر رہنا

ہوگا۔ مسلمان اور یہودی دونوں اپنے اپنے مذہب کے پابند رہیں گے۔

(۳) مسلمان جب تک اپنے دشمنوں سے مصروف پیکار رہیں یہود ان کی مالی اعانت کرتے رہیں

گے۔

(۴) شہر مدینہ میں ایک دوسرے فریق کے ساتھ جنگ کرنا حرام ہے۔“ (12)

”اس دور میں اگرچہ مکہ کی نسبت حالات قدرے سازگار تھے جس کے نتیجے میں دعوت کا دائرہ

وسیع ہوا لیکن اتنی آزادی بہر حال ابھی تک نہ تھی کیونکہ بہت سے قبائل مشرکین تھے یا ان کے

حلیف، اس لیے وہ ہر وقت مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی سوچتے رہتے۔ اسی دور کے سن ۴ ہجری

میں بیر معونہ اور رجب کا افسوس ناک حادثہ پیش آیا۔ ابو براء کلابی کی درخواست پر 70 لوگ روانہ

ہوئے ان سب کو راستے میں قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح عضل اور قارہ کے چند آدمی آنحضرت

ﷺ کے پاس آئے کہا کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ چند لوگوں کو ہمارے ہاں

بھیجے تاکہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائیں۔ آپ نے دس اشخاص ان ساتھ کر دیئے۔ لیکن ان

میں کچھ کو قتل کر دیا کچھ کو غلام کو بنا کر بیچ ڈالا۔“ (13)

ان حالات کی وجہ یہ تھی کہ ابھی حالات و زمانہ پر مشرکین کے اثر و رسوخ کی گرد باقی

تھی، چھٹی نہ تھی۔ کیونکہ قریش مکہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے ایک خصوصی مقام رکھتے

تھے۔ اس لیے دیگر قبائل کو بھی ساتھ ملا لیا اور یوں غزوہ خندق وقوع پذیر ہوا۔ اس غزوہ میں قریشی اور حلیف قبائل کی ناکامی کے بعد نبی کریم ﷺ نے یہ خبر بھی عطا فرمادی تھی کہ:

”لن تغزوکم قریش بعد عامکم هذا و لکنکم تغزونہم“ (14)

”اس سال کے بعد قریش تمہارے ساتھ جنگ نہیں کر پائیں گے بلکہ تم ان پر حملہ کرو گے۔“

(۵) صلح حدیبیہ تافیح مکہ

چھ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے عمرہ کی ادائیگی کا عزم فرمایا اور 1400 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کفار مکہ نے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ جس کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ صلح حدیبیہ ایک اہم موڑ (Turning Point) کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ معاہدہ نبی کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس معاہدہ کے بعد کفار کی طرف سے حملے کا خطرہ ٹل گیا اور اہل ایمان اپنے دعوتی مقصد میں مصروف عمل ہو گئے۔ اسی دور میں مکہ کے جگر پارے رسالت مآب کے قدموں میں آ گئے۔ ”دنیاۓ عرب کی تین شخصیتیں بارگاہ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوئیں۔ اپنی سابقہ غلطیوں اور نادانیوں پر اشک ندامت بہا بہا کر حضور پر نور ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے کی بیعت کی ان فقید المثال ہستیوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ عمرو بن العاص، خالد بن ولید، اور عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہم۔“ (15)

ہجرت سے لے کر غزوہ خندق اور غزوہ خندق سے لے کر صلح حدیبیہ تک اسلام کی دعوت روز افزوں ہوتی گئی۔ نبی کریم ﷺ کی سیاسی حکمت عملی، دعوتی کادشیں اور حالات و زمانہ کے مطابق مناسب اقدام نے ترقی کے زینے طے کرنے آسان بنا دیئے۔ ”چھٹے سال کے آخر میں حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جو معاہدہ صلح طے پایا، اس نے ان کے غبارے سے ہمیشہ کے لیے ہوا نکال دی۔ دس سال تک باہمی جنگ نہ کرنے کی شرط پر مشرکین متفق ہو گئے۔ مسلمانوں کو مکہ مکرمہ اور عرب کے دیگر علاقوں میں آمد و رفت کی آزادی حاصل ہو گئی۔ اس طرح ہجرت کے صرف چھ سال بعد کفار و مشرکین کی متحدہ قوت کا جنازہ نکل گیا۔ جب

ساتویں ہجری کا آغاز ہوا تو اس کے ساتھ ہی اسلام کے عہد زریں کی صبح سعید طلوع ہوئی۔ جس سے اسلام کی فتح یابیوں اور ظفر مند یوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جس کے باعث تین معلوم براعظموں، ایشیاء، افریقہ، اور یورپ میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ قریش مکہ سے جنگ کے اختتام کے باعث حضور نے اسلام کے دوسرے دشمنوں کی تسخیر کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ حضور نے اب تبلیغ اسلام کا کام پوری سرگرمی سے شروع کیا۔ عرب کے صحراؤں میں آباد قبائل کے علاوہ شاہان عالم کو بھی اپنا پیغام رسالت پہنچانے کے لیے قاصد روانہ کیے۔“ (16) اس معاہدہ کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

”باسمک اللہم!

یہ معاہدہ صلح ہے محمد بن عبد اللہ کا جو سہیل بن عمرو کے ساتھ ہوا۔ ان شرائط پر:

(۱) فریقین میں دس سال تک جنگ کرنا ممنوع ہے۔

(۲) ان دس برسوں میں اگر یارِ ان محمد مندرجہ ذیل تین اغراض میں سے کسی ایک کے لیے مکہ میں

آئیں تو اہل مکہ ان کی جان و مال کی

ذمہ داری ہے:

(الف) حج کے لیے آئیں (ب) عمرہ کے لیے آئیں (ج) تجارت کے لیے آئیں

(۳) اگر قریش تجارت کے لیے مدینہ کے راہ سے مصر یا شام کی طرف جائیں تو مسلمان انکی جان

اور مال کے ذمہ دار ہوں گے۔

(۴) اہل مکہ میں سے جو شخص اپنے خاندانی سربراہ کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر مدینہ چلا آئے تو

محمد (ﷺ) پر اس کا لوٹا دینا واجب ہے۔

(۵) بخلاف (۴) کے اگر کوئی شخص مدینہ میں سے اسلام ترک کر کے مکہ میں پناہ گزیں ہو تو قریش

اسے واپس نہیں کریں گے۔

نواحی قبائل کے لیے:

(۶) ان قبائل میں سے جو اہل مکہ کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ مختار ہے۔ اگر کوئی قبیلہ اسی قبیلے کی مانند محمد کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے تو یہ بھی آزاد ہے۔

(۷) اس مرتبہ محمد اور آپ کے ہمراہیوں کو عمرہ کے بغیر واپس لوٹنا ہو گا۔

(۸) آئندہ سال وہ مکہ میں عمرہ کے لیے آنے کے مجاز ہیں۔

(۹) ان کے داخلے پر قریش اور ان کے ہمسائے شہر خالی کر دیں گے۔

(۱۰) مسلمان اپنے ساتھ صرف سواری کے شایاں اسلحہ لا سکتے ہیں مگر تلواریں میان میں ہوں نہ کہ کسی اور غلاف سے ڈھکی ہوئی۔

(۱۱) انہیں مکہ میں تین روز سے زیادہ قیام کی اجازت نہ ہوگی۔

(۱۲) مسلمان اس سفر میں عمرہ کے لیے ہدی کے جانور جو اپنے ہمراہ لاتے ہیں وہ منی میں لے جا کر ذبح نہیں کیے جاسکتے۔ یہ مسلمان

جانیں اور ان کی ہدی اور اس کا مذبح۔ فقط (۱۷)

صلح حدیبیہ کی شقیں ظاہری طور پر مسلمانوں کے موافق نہ تھیں جس بناء پر صحابہ اضطرابی کیفیت طاری تھی یہاں تک کہ حضرت عمر آپ ﷺ کی خدمت میں پریشانی کے عالم میں عرض کرتے ہیں ”یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ہاں ہوں“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ہاں ہم حق پر ہیں“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا پیغمبر ہوں اور اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا اللہ میری مدد کریگا۔۔۔ اس حالت کو گوارا کرنا گو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا ایک طرف (ظاہر میں) اسلام کی توہین ہے ابو جندل بیڑیاں پہنے ۱۴۰۰ جان نثار ان اسلام سے استغاثہ کرتے ہیں، سب کے دل جوش سے لبریز ہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کا ایماء ہو جائے تو تلوار فیصلہء قاطع کے لیے موجود ہے۔“ (۱۸)

صلح ہو گئی، تین دن حدیبیہ میں قیام کے بعد صحابہ کرام رنجیدہ کیفیت کے ساتھ، بو جھل قدم لیے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ صلح حدیبیہ کی شقوں کو اپنی شکست سمجھنے والے دل ہی دل میں حیران و پریشان تھے کہ آج ہمیں تلوار چلانے کا بھی حکم نہیں ہوا۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے ”راہ میں یہ سورۃ اتری

(اَنَا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا)

”ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔“ تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے اللہ نے اس کو فتح کہا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا یہ آیت نازل ہوئی ہے انہوں نے تعجب سے پوچھا کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تسکین ہو گئی اور مطمئن ہو گئے،“ (19)

آنے والے وقت نے بتایا کہ واقعی یہ فتح مبین تھی۔ کیونکہ اب اہل ایمان کو کھل کر تبلیغ کرنے کا موقع مل چکا تھا۔ تبلیغ کی راہ میں سب سے بڑی روکاؤٹ قریش مکہ صلح نامہ کو مان کر مسلمانوں کی حیثیت کو تسلیم کر چکے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور مبلغین بھیجنے شروع کیے۔ عام لوگوں کے ساتھ ساتھ سرداران قبائل اور حاکمان وقت کو اسلام کے دعوت نامے ارسال کیے۔ زاد المعاد میں ہے:

”لما رجع من الحدیبیۃ کتب الی ملوک الارض و ارسل الیہم رسلہ فکتب الی ملک الروم فقیل لہ انہم لا یقرءون کتابا الا اذا کان مختوماً فاتخذ خاتما من فضۃ و نقش علیہ ثلاثۃ اسطر محمد سطر و رسول سطر و اللہ سطر ختم بہ الی الملوک و بعث ستۃ نفر فی یوم واحد فی المحرم سنۃ سبع“ (20)

جب آپ حدیبیہ سے واپس لوٹے تو بادشاہان کی طرف خط لکھے روم کے بادشاہ کو بھی خط لکھا، آپ کی بارگاہ میں عرض کیا گیا کہ بادشاہ خط نہیں پڑھتے جب تک کہ اس پر مہر نہ لگائی جائے تو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی اور اس پر تین لائنوں میں لکھوائی کروائی ایک لائن میں محمد (ﷺ)

، ایک لائن میں رسول اور ایک لائن میں اللہ (جل جلالہ) لکھوایا۔ اور مہر لگا کر بادشاہوں کی طرف خطر وانہ کیے۔ محرم سات ہجری میں ایک ہی دن آپ نے چھ لوگوں کو روانہ فرمایا۔ صاحب زاد المعاد نے درج ذیل ملوک کو دعوت اسلام بھیجے جانے کا تذکرہ کیا ہے:

(۱) نجاشی کی طرف عمرو بن امیہ کو (۲) ہرقل کی طرف دحیہ بن خلیفہ کلبی کو (۳) کسریٰ کی طرف عبد اللہ بن حذیفہ کو (۴) مقوس کی طرف حاطب بن ابی بلتعہ کو (۵) حارث بن ابی شمر الغسانی کی طرف شجاع بن وہب رمدی کو (۶) جیفر اور عبد اللہ عاملان عمان کی طرف عمرو بن عاص کو (۷) منذر بن ساوی والی بحرین کی طرف علاء بن حضرمی کو (۸) حارث بن عبد کلال یمنی کی طرف مہاجر بن امیہ کو (۲۱)

صاحب سبل الہدیٰ نے تفصیل سے ان کا تذکرہ کیا جو حضور کے دعوتی پیغام لے کر مختلف لوگوں کی طرف گئے۔

۶۔ فتح مکہ تا وصال مبارک

رمضان ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوتا ہے۔ جی ہاں وہی شہر جہاں سے آٹھ سال پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ جہاں "ہو اللہ احد" کی صدا لگانا شجر ممنوعہ قرار دیا گیا تھا۔ جہاں توحید کی بات کرنا شیر کی کچھار میں چھلانگ لگانے کے مترادف تھا۔ آج حالات پلٹ چکے تھے، زمانہ بدل چکا تھا۔ اتنا بدل چکا تھا کہ تین سو ساٹھ بتوں کا بوجھ اٹھانے والا کعبہ آج بے تابی سے بوجھ ہلکا کرنے والے دست اقدس کی طرف دیکھ رہا تھا، نبی کریم ﷺ کو ستانے والے اور ستانا دیکھ کر خوش ہونے والے آج دم سادھے کھڑے تھے کہ آج نامعلوم کیا ہوتا ہے، چشم فلک نے ایسا انقلاب آفرین منظر شاید دیکھا ہو کہ دیکھ کر منہ پھیر لینے والے، سازشیں کرنے والے، جنگیں برپا کرنے والے اور انہیں قتل اور نیست و نابود کرنے کے مشن پر کام کرنے والے، اسی کے رحم و کرم پر کھڑے تھے۔ لیکن ایک اس پیکر رحمت و شرافت کی ہستی تھی کہ (قَالَ لَا تَثْرِيبَ

عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ) کا مرثدہ جانفزاسنا رہی تھی۔ ابوسفیان، ہندہ اور دشمنوں کے جم غفیر کے لیے معافی کا فلک شگاف اعلان ہو رہا تھا۔

آج میرے آقا کی حکمت عملی جیت چکی تھی اور کفار کی سازشیں چاروں شانے چت کر چکی تھی۔ آج کعبہ پر کعبہ کے حقیقی وارثوں کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اور انہیں میں سے ایک بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت چڑھ کے اللہ اکبر کی صدائے دلنواز بلند کر رہے تھے۔ دعوت کے اس دور میں قبائل کے قبائل اسلام لائے اور آپ نے حالات و زمانہ کے مطابق ان سے بیعت لی، انہیں اہمیت دی اور ان کے احوال کو بہتر بنانے کے لیے نہایت حکمت عملی سے کام لیا۔ مالک بن عوف، کعب بن زہیر، اور قبیلہ ثقیف حاضر خدمت ہو کر ایمان قبول کرتے ہیں۔ اسی دور میں عرب قبائل کے وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے مشرف ہوتے ہیں اور پھر حجۃ الوداع کا وہ خوبصورت وقت آتا ہے جب ہر طرف لبیک اللہم لبیک کی پرگداز آوازیں بلند ہو رہی تھی اور ”الحکم للہ الواحد القہار“ کا عملی مظاہرہ دیکھنے کو مل رہا تھا۔

امام بخاری نقل کرتے ہیں کہ عمرو بن سلمہ سے مروی ہے کہ
”كانت العرب تلوم باسلامهم الفتح فيقولون اتركوه و قومہ فانه ان ظہر علیہم فہو نبی صادق فلما كانت وقعة اهل الفتح بادر كل قوم باسلامهم و بدر ابی قومی باسلامهم“⁽²²⁾

”عرب قریش اسلام کا انتظار کر رہے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان کو اور ان کی قوم کو اپنے حال پر چھوڑ دو اگر تو وہ ان پر غالب آگئے تو وہ نبی صادق ہوں گے۔ لہذا جب فتح مکہ کا واقعہ ظہور پذیر ہوا تو ہر قوم نے اپنے اسلام لانے میں جلدی کی اور میرے باپ اور میری قوم نے بھی اسلام لانے میں جلدی کی۔“

قرآن مجید نے بھی اس فتح مبین کے بعد خوشخبری بایں الفاظ سنائی:-

(اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا) (23)

”جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔“

اسی سورہ کا ذکر کرتے ہوئے ابن ہشام یوں رقم کرتے ہیں:

”قال ابن اسحاق و انما كانت العرب تربص بالاسلام امر هذا الحي من قريش و امر رسول الله ﷺ و ذلك ان قريشا كانوا امام الناس و هاديهم و اهل البيت الحرام و صريح ولد اسماعيل ابن ابراهيم و قادة العرب لا ينكرون ذلك و كانت قريش في التي نصبت لحرب رسول الله و خلافه فلما افتتحت مكة و دانت له قريش و دوحها الاسلام و عرفت العرب انه لا طاقة لهم بحرب رسول الله و لا عد اوتاه فدخلوا في دين الله كما قال عزوجل افواجا يضربون اليه من كل وجه يقول الله تعالى لنبيه اذا جاء نصر الله و الفتح و رايت الناس يدخلون في دين الله افواجا فسبح بحمد ربك و استغفره انه كان توابا اي فا حمد الله على ما اظهر من دينك و استغفره انه كان توابا“ (24)

”ابن اسحاق نے کہا کہ عرب اسلام لانے میں صرف اسی قبیلہ قریش اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش لوگوں کے امام، راہنما، بیت الحرام کے متولی اور اسماعیل بن ابراہیم کی اولاد تھے اور عرب کے پیشوا بھی اس کا انکار نہ کرتے تھے اور یہ قریش ہی تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ برپا کر رکھی تھی لیکن جب مکہ فتح ہوا، قریش نے سر تسلیم خم کر دیا اور اسلام وہاں غالب آ گیا تو عرب سمجھ گئے کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کی طاقت نہیں اور ان سے دشمنی مول نہیں لے سکتے۔ چنانچہ وہ دین خدا میں داخل ہو گئے جیسا کہ اللہ عزوجل نے ”افواجا“ کا ذکر فرمایا کہ وہ فوج در فوج ہر طرف سے آپ کے پاس آئیں گے۔“

چنانچہ اس کے بہت سے فوائد سامنے آئے۔ علامہ شبلی اپنا تبصرہ یوں لکھتے ہیں:

”فتح مکہ کے بعد اب اسلام کے لیے یہ خطرہ نہیں رہا کہ اس کے دعاۃ (داعی کی جمع) جہاں جائیں بے دریغ قتل کر دیئے جائیں۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے تمام اطراف عرب میں دعاۃ بھیج دیئے کہ لوگوں کو اسلام کے فضائل و محاسن بتا کر ان کو اسلام کی ترغیب دلائیں۔“ (25)

تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ کا لائے ہوئے انقلاب نے دنیا کے تمام انقلابوں سے کم وقت لیا، زیادہ مؤثر رہا، وسیع اثرات والا تھا، دیر پا اور پر امن انقلاب تھا۔ دنیا کا دامن ایسی مثالوں سے تہی ہے جو نبی کریم ﷺ نے قائم فرمائیں۔ اپنے تو اپنے غیر بھی اس کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دور حاضر میں ہمارے داعی اور مبلغین نبی کریم ﷺ کی اس حکمت عملی سے استفادہ کریں۔ اپنی دعوت کے دائرہ کار کو بڑھانے، اسے زور اثر بنانے، اس کے اثرات کو دوام عطا کرنے جیسے ثمرات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حالات و زمانہ کو دیکھتے ہوئے قدم آگے بڑھایا جائے۔ اس کا قطعی طور پر یہ مطلب نہیں کہ ہم حالات کی رو میں بہہ جائیں اور اپنے آپ کو حالات و زمانہ کے قدموں میں گرا دیں، بلکہ معاملہ فہمی، مصلحت بینی، دور اندیشی، دقت نظری اور استقامت عملی ایسی صفات کا حامل ہونا از بس ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسی ہی صفات عالیہ سے وہ تمام مقاصد بہت کم وقت میں حاصل کر لیے جن کے لیے مصلحین کی زندگیاں بیت جاتی ہیں بلکہ کئی نسلیں انتظار کرتے کرتے قصہ ماضی بن جاتی ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

- 1 کاندھلوی، محمد ادریس: سیرت مصطفیٰ، مکتبہ العلم، سن، ج ۱، ص ۱۵۸
- 2 المبارکفوری، صفی الدین، الرحیق المختوم، دار ابن خلدون، سکندریہ، سن ندارد، ص ۵۷
- 3 الازہری محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ج ۲، ص ۴۶۵
- 4 ایضاً، ص ۲۶۷
- 5 الرحیق المختوم، ص ۹۸
- 6 ایضاً
- 7 ندوی، ابوالجلال، مولانا: ایام النبی ۲: السیرۃ العالی، شماره ج ۷، ربیع الاول ۱۴۲۳/ مئی ۲۰۰۲، ص ۸۴، ۸۳
- 8 ابن ہشام، محمد عبدالملک، م ۲۱۳ھ: السیرۃ النبوة، شركة الطباعة الفنية المتحدة، سن، ج ۲، ص ۱۰۰
- 9 ابن کثیر، اسماعیل، الحافظ، م ۷۷۴ھ: البدایہ و النہایہ، المكتبة الحفانیہ، پشاور، سن ندارد، ج ۲، ص ۲۲۶
- 10 ایضاً
- 11 دایم، عبدالداہم، قاضی: سید الوری، علم و عرفان پبلشرز لاہور، ۲۰۱۰، ج ۱، ص ۳۳۶
- 12 ڈاکٹر حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات، مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور، ص ۳۷
- 13 شبلی نعمانی، علامہ، م ۱۹۱۴ء: سیرۃ النبی، مکتبہ اسلامیہ لاہور، ط ۲۰۱۲ء، ج ۱، ص ۲۶۹
- 14 الیعبری، محمد بن محمد، م ۷۳۴ھ، الحافظ: عیون الاثر فی فنون المغازی، و الشمائل و السیر، دار القلم بیروت، ۱۹۹۳ء، ج ۲، ص ۱۰۹
- 15 الازہری، محمد کرم شاہ، پیر: ضیاء النبی، ج ۲، ص ۳۳۳
- 16 ایضاً، ج ۲، ص ۱۷۳
- 17 ڈاکٹر حمید اللہ: سیاسی وثیقہ جات، ص ۵۰
- 18 شبلی نعمانی: سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۳۰۹
- 19 ایضاً، ص ۳۱۱
- 20 ابن قیم، محمد بن ابوبکر، ۷۵۱ھ: زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، مکتبۃ المنار الاسلامیہ الكويت، ط ۱۹۹۴ء، ج ۱، ص ۱۱۶
- 21 ایضاً، ص ۱۱۷
- 22 بخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب منه، دار الفکر بیروت، ص ۱۰۴۸
- 23 سورۃ النصر ۱۱۰: ۳۰
- 24 ابن ہشام، محمد عبدالملک، السیرۃ النبوة، ج ۲، ص ۵۶۰
- 25 شبلی نعمانی: سیرۃ النبی، ج ۲، ص ۴۲۵